© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے تعلقات غیر قوموں کے ساتھ

قرونِ اولیٰ میں

(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کی زندگی کے تیرہ برس مکّہ میں بسر کیے اور دس برس مدینہ طیبہ میں۔ آپ نے جتنے بھی غزوات کیے وہ سب ان اخیر کے دہ سالہ کارناموں کا ہی دلآویز مرقع ہیں۔ عرب میں مشرکوں اور یہودیوں کی طاقت اس قدر مضبوط اور پھیلی ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدنی زندگی کے ان دس سالوں میں کہیں باہر جانے کی فرصت ہی نہیں ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی وفات تک اسلام کا دائرہ جزیرۃ العرب تک محدود رہا۔ آپ نے عرب سے باہر مختلف حکومتوں کے ساتھ نامہ و پیام کی سلسلہ جنبانی ضرور کی اور اُن کو دعوتِ اسلام بھی بھیجی لیکن اسلامی فتوحات کے قدم جزیرۂ عرب سے باہر نہ پہنچ سکے۔

آپ کی وفات کے بعد اسلام کا دائرۂ عمل واقتدار اور زیادہ وسیع ہونا شروع ہوا۔ اور مسلسل فتوحات نے مسلمانوں کو غیر قوموں کے ساتھ اختلاط وارتباط کا موقع بہم پہنچایا۔ عراق فتح ہوا تو وہاں ربیعہ و مضر کے کچھ عربی قبیلے آباد تھے۔ اور اصلی باشندگانِ ملک کے ماسوا کچھ ایرانی لوگ بھی رہتے تھے۔ جن میں سے بعض مذہباً عیسائی تھے اور بعض مزدکی تھے اور بعض زردشت کے پیرو تھے۔ یہیں عراق میں عربوں نے کوفہ و بصرہ دو شہر بسائے[۱]۔ عراق کی فتوحات

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھو فتوح البلدان بلاذری باب تمصیر الکوفہ و تمصیر البصرہ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ئے سلسلہ میں جب حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مدائن اور قادسیہ کی آب وہوا عربوں کے مزاج کو موافق نہیں ہے، تو آپ نے حکم دیا کہ مسلمانوں کو اپنی سکونت کے لیے ایک ایسے مقام پر شہر آباد کرنے چاہئیں جو خشکی یا تری کے ذریعہ جزیرۃ العرب سے بالکل جُدا نہ ہو . . آپ کے اس حکم کی تعمیل میں ۱۵ھ میں بصرہ اور ۱۷ھ میں کوفہ کی تعمیر وقوع میں آئی۔

ایران فتح ہوا تو یہاں ایرانی آباد تھے۔ اور کچھ یہودی اور کچھ رومی بھی جو ایران وروم کی جنگ میں گرفتار ہو کر آئے تھے یہاں رہتے تھے۔

پھر جب مسلمانوں کے قدم شام میں پہنچے تو اُن کو یہاں متعدد قدیم تہذیبوں اور تمدنوں کی یادگاریں ملیں شام میں "فنیقی" اور "کنعانی" تہذیب وتمدن کا دور دورہ رہ چکا تھا۔ اور مصر، یونان، روم اور غسانی عرب کے بادشاہ اس پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ آخر میں یہ روم کی حکومت کے زیرِ نگین تھا اور یہاں کے باشندے مذہبًا عیسائی تھے۔

مسلمانوں نے جب شام کو فتح کیا تو اس وقت یہاں کے شہروں میں اصل باشندگان ملک کے سوا جو سوری کہلاتے تھے ارمنی، یہودی، اور کچھ رومی بھی آباد تھے۔ ان کے علاوہ چند عربی قبائل بھی حصہ جنوبی میں زیادہ اور شمالی گوشہ میں کم بستے تھے جس میں سے بعض مشہور قبائل کے نام یہ ہیں: غسان، لخم، جذام، کلب، قضاعہ اور تغلب۔ یہ قبائل کہنے کو عرب تھے لیکن جو زبان بولتے تھے وہ عربی اور آرامی کی معجون مرکب تھی۔ ان کے اور عرب حجاز کے درمیان صرف تجارتی تعلقات قائم تھے ورنہ قومی اعتبار سے یہ لوگ اپنے آپ کو شامی ہی سمجھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی مسلمانوں اور رومیوں میں جنگ ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کے برخلاف ہمیشہ رومیوں کی حمایت واعانت کی[1]

[1] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مادۂ شام۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصر فتح ہوا تو یہ بھی ایک قدیم تہذیب وتمدن کا گہوارہ رہ چکا تھا، جہاں قدیم مصریوں یونانیوں اور رومیوں کی یادگاریں باقی تھیں۔ مصر کی قدیم تاریخ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ دورِ جاہلیت اس کے آغاز کا پتہ نہیں ۵۰۰۰ سنہ قبل مسیح پر منتہی ہوتا ہے۔ دورِ خاندانِ مصری، ۵۰۰۰ سنہ ق م سے شروع ہو کر ۳۳۲ سنہ ق م پر تمام ہوجاتا ہے۔ تیسرا دور ۳۳۲ سنہ ق م سے شروع ہو کر تیس سال قبل مسیح پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد مصر کے دورِ جدید کا آغاز ہوتا ہے جس کی مدت تیس سال قبل مسیح سے مسلمانوں کے تسلّط و استیلا یعنی ۶۴۱ سنہ ء تک ممتد ہے۔

اِن فتوحات سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے مغرب کی طرف توجہ کی اِس سلسلہ میں ٹیونس، الجزائر، مراکش، سے لے کر جبل الطارق (جبرالٹر) تک تمام شہروں کو فتح کر ڈالا۔

ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں سندھ، بخارا، خوارزم، سمرقند اور کاشغر فتح ہوئے۔

اِن مختلف ممالک کی فتوحات ہی مسلمانوں اور غیر قوموں میں اختلاط و ارتباط کی بنیاد ہیں مسلمانوں نے جس کسی ملک کو فتح کیا وہاں کی مفتوحہ قوم کے ساتھ گھل مل کے رہے۔ اُن کو اپنے تہذیب و تمدن کی دولت سے مالا مال کیا۔ اور خود مفتوحہ اقوام میں جو محاسن پائے جاتے تھے خُذ ما صفا ودع ما کدر کے مطابق اُن کو قبول کیا۔

اس اختلاط کے اصل اسباب تین ہیں۔

(۱) فتح ممالک کے وقت تعلیمات اسلام۔

(۲) بلادِ مفتوحہ کا کثرت سے مسلمان ہوجانا۔

(۳) عرب اور غیر عرب میں رہائشی تعلقات۔

ہم ان میں سے ہر ایک کے متعلق مختصراً کچھ لکھتے ہیں۔

فتح کے وقت اسلامی تعلیمات | اسلامی تعلیمات کی رو سے جب مسلمان کسی شہر کو فتح کرنے کا ارادہ کریں تو

© rasailojaraid.com

اُن پر ضروری ہے کہ وہاں کے لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دیں وہ اُس کو قبول کرلیں تو پھر مسلمانوں میں اور اُن میں کوئی فرق نہیں ہوگا لیکن اگر وہ اس دعوت پر لبیک نہ کہیں تو پھر اُن سے مطالبہ کیا جائے کہ جزیہ[1] ادا کریں اور ذمی ہوکر رہیں۔ اس صورت میں یہ لوگ اپنے مذہب پر باقی رہینگے۔ اُن کی جائیداد، مال اور عزت و آبرو بالکل مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کی طرح محفوظ ہونگی۔

اگر وہ اِن دونوں میں سے کسی ایک صورت کو بھی اختیار نہ کریں تو پھر مسلمانوں کو اجازت ہے کہ اُن سے جنگ کریں۔ مگر اُس کے لیے خاص خاص شرائط و قواعد ہیں جن کا پابند رہنا ضروری ہے، جنگ کے اختتام پر جو لوگ گرفتار ہوکر آئینگے اُن کے لیے قرآن مجید میں صاف حکم ہے:

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ان کو یا تو احسان کرکے چھوڑ دو یا کسی فدیہ کے بدلے میں رہا کردو۔

لیکن عرب اور دوسرے ممالک میں اسیرانِ جنگ کو غلام بنا لینے کا دستور قدیم زمانہ سے تھا۔ اِس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وقتی مصالح کے پیشِ نظر اس رواج کو یک قلم موقوف نہیں کیا، بلکہ اُس میں چند در چند مفید اور موثر اصلاحیں کردیں۔

عام طور سے غلاموں اور باندیوں سے ناروا سلوک کیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ تمہارے بھائی ہیں، اِن کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو، اور وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو"[2]۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر ملکوں کے لوگ جو جنگ میں گرفتار ہوکر آتے تھے اور غلام بنا لیے جاتے تھے، مرد اور عورت، مسلمانوں کی گھریلو زندگی میں دخیل ہوگئے۔ اور فیملی ممبر کی حیثیت سے

۱؎ جزیہ ایک ٹیکس ہے جو فی کس وصول کیا جاتا ہے، اور وہ بھی عورتوں اور بچوں سے نہیں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں مالدار، متوسط اور غریب ان تین طبقات کے اعتبار سے تین ٹیکس تھے۔ امیروں سے ۴۸ درہم (تقریباً بارہ روپے)، متوسط لوگوں سے ۲۴ درہم (تقریباً چھ روپے) اور غریبوں سے ۱۲ درہم (تقریباً تین روپے) سالانہ لیے جاتے تھے (دیکھو فتوح البلدان بلاذری)

۲؎ غلامی کے مسئلہ کی پوری وضاحت ہم نے اپنی کتاب "الرِقّ فی الاسلام" میں کی ہے جو ندوۃ المصنفین کی جانب سے عنقریب شائع ہوگی۔

© rasailojaraid.com

اُن کے ساتھ رہنے سہنے لگے۔ پھر جتنی جتنی مسلمانوں کی فتوحات بڑھتی گئیں غلاموں اور باندیوں کی کثرت میں بھی اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ مسعودی کا بیان ہے کہ زبیر بن عوام کے پاس ایک ہزار غلام اور ایک ہزار باندیاں تھیں۔

اس سے زیادہ عجیب وہ روایت ہے جو ابن عبد ربہ نے العقد الفرید میں نقل کی ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرت معاویہ نے رومی اور ایرانی غلاموں کی کثرت دیکھی تو فرمایا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ رومی اور ایرانی غلام بڑھتے جاتے ہیں، اور مجھ کو خوف ہے کہ کہیں کسی روز موقعہ پاکر یہ سب کے سب اہلِ عرب پر حملہ نہ کر بیٹھیں اور اُن پر اقتدار حاصل نہ کرلیں۔ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان میں سے بعض لوگوں کو قتل کردوں اور بعض کو زندہ چھوڑ دوں تاکہ وہ بازاروں میں کام کریں یا راستے بنانے کی خدمت انجام دیں"[1]۔

حضرت معاویہ نے اپنے اس خیال پر عمل نہیں کیا، اور پھر بعد میں اس سے منحرف ہوگئے۔ اس روایت کی صحت کے متعلق کوئی وثوق ظاہر نہیں کیا جا سکتا لیکن اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ کے زمانہ میں ہی روم اور ایران کے لوگ کثرت سے عرب میں آبسے تھے۔ اور اُسی زمانہ سے مسلمانوں اور غیر قوموں میں اختلاط پیدا ہوگیا تھا۔

ولاء غلاموں اور باندیوں کو اپنے آقاؤں کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہوجاتا تھا جو اُن کے آزاد ہونے کے بعد بھی باقی رہتا تھا۔ اس تعلق کو شریعت کی زبان میں "ولاء" کے نام سے پکارا گیا ہے اس تعلق کا ماحصل صرف یہ تھا کہ آزاد کردہ غلام اپنے آقا کے خاندان میں شمار کیا جائیگا جیسا کہ بخاری میں فرمایا گیا ہے:-

مولی القوم من انفسھم　　کسی قوم کا غلام اُنہی میں سے سمجھا جائیگا۔

---

[1] العقد الفرید جزء ۲ ص ۹۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور غلام کے مرنے کے بعد اُس کا جو ترکہ ہوگا آقا بھی اُس میں شریک ہوگا۔ اسی تعلق کی بناء پر غلام آزاد ہونے کے بعد بھی اپنے آقا کے خاندان کے ساتھ ربط ضبط رکھتا تھا۔ اور دونوں میں ساتھ اُٹھنے بیٹھنے اور رہنے سہنے کے تعلقات قائم رہتے تھے۔

بلادِ مفتوحہ کا مسلمان ہو جانا — دوسرا سبب بلاد مفتوحہ کا مسلمان ہو جانا ہے۔ مسلمان جہاں کہیں گئے اُن کے دین قیم کی فطری کشش اور اُن کے اخلاق و شمائل کی جاذبیت نے غیر قوموں کو بھی اُن کا ہم مذہب بنا دیا۔

جنگ ایران میں شاہ ایران کے چار ہزار غلام اور خواص تھے جو ہر وقت اُس کے ساتھ رہتے تھے۔ قادسیہ میں ان لوگوں نے رستم کے ساتھ شریک ہو کر مسلمانوں سے زبردست جنگ کی تھی لیکن جب پرویز قتل کر دیا گیا۔ اور آتش پرست شکست کھا گئے، تو ان لوگوں نے آپس میں کہا کہ ہمارے حالات مجوسیوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اور ہمارے لیے کوئی جائے پناہ بھی نہیں ہے اب مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم مسلمانوں کے مذہب کو قبول کر لیں اور اس طرح عزت کی زندگی بسر کرنے لگیں۔

یہ رائے قائم کرنے کے بعد یہ سب مجوسیوں کی صف سے الگ ہو گئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نے بایما حضرت سعد بن وقاص ان لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ انہوں نے آپ کو اصل معاملہ کی خبر دی اور کہا کہ ہم سب آپ کے دین میں داخل ہونا چاہتے ہیں حضرت سعد کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے سب کو امن دیا۔ اور یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ اور ایسے پختہ کار ثابت ہوئے کہ حضرت سعد کی زیر قیادت جنگ مدائن میں شریک ہوئے۔ اور جلولاء کی لڑائی میں بھی شریک ہو کر انہوں نے خوب دادِ شجاعت دی۔ اس سے فارغ ہو کر کوفہ واپس آ گئے اور مسلمانوں کے ساتھ رہنے سہنے لگے[1]۔ تاریخ میں اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں، البتہ

[1] فتوح البلدان بلاذری، ص ۲۸۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کے قبولِ اسلام کی وجوہ مختلف تھیں۔ ان میں اکثر و بیشتر تو وہ تھے جو اسلام کی حقانیت و صداقت پر دل و جان سے ایمان لے آئے تھے۔ اور اُس کو حیات ابدی کا حقیقی ذریعہ سمجھتے تھے اور کچھ وہ بھی تھے جو یہ سمجھ کر مسلمان ہوتے تھے کہ اس طرح وہ اسلام کی تیغِ کفر شکن کی زد سے محفوظ و مامون رہ سکتے اور امن و عافیت کی زندگی گزار سکتے ہیں، اور کچھ وہ تھے جو مسلمان ہو کر دنیوی اعزاز و منصب حاصل کرنا چاہتے تھے۔

غرض یہ ہے کہ لوگ اس کثرت سے مسلمان ہوئے کہ عہد بنی اُمیہ میں ایسے افراد بہت کم رہ گئے جن پر غیر مسلم ہونے کی وجہ سے جزیہ ادا کرنا ضروری ہو۔ حجاج بن یوسف کے عُمّال کو خیال ہوا کہ بہتیرے لوگ جزیہ سے ڈر کر مسلمان ہو رہے ہیں۔ اُنھوں نے حجّاج کو شکایۃً لکھا کہ خراج کم ہو گیا ہے، اور جو ذمی تھے وہ مسلمان ہو گئے ہیں اور شہروں میں جا بسے ہیں" حجاج نے جواب میں لکھ بھیجا کہ ایسے لوگوں سے مسلمان ہونے کے باوجود جزیہ وصول کیا جائے۔ بصرہ کے علماء نے حجاج کی اس درشتی اور سخت گیری کو دیکھا تو رو پڑے۔ اور اُنھوں نے اس طرح کے جابرانہ حکم پر سخت بیزاری کا اظہار کیا۔[۹]

ایک ساتھ رہنا سہنا مسلمانوں اور غیر قوموں میں اختلاط کا تیسرا سبب ایک ہی جگہ رہنا سہنا تھا۔ مسلمان جہاں کہیں گئے تھوڑے بہت وہاں آباد بھی ہو گئے اور عراق کے بعض شہر تو ایسے ہیں جن کو عربوں نے اپنا دائمی وطن اور مسکن بنا لیا۔ اگرچہ ان کا داخلہ بحیثیت ایک فاتح کے ہوتا تھا لیکن معاشرتی معاملات میں اُنھوں نے دوسری قوم کے لوگوں کے ساتھ کبھی تفوق اور برتری کا معاملہ نہیں برتا۔ بلکہ بھائی بندوں اور اپنے ہی کنبہ قبیلہ کے لوگوں کی طرح آپس میں گھل مل کے رہتے تھے اور اجتماعی اور اقتصادی امور میں ایک دوسرے کے برابر کے شریک تھے۔ عراق میں عربوں

[۹] ابن الاثیر جزء ۴ ص ۱۷۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے کوفہ کو آباد کیا تو اُس کی آبادی کا یہ حال تھا کہ مسٹر ولھوسن (Wellhausen) کے قول کے مطابق نصف آبادی فاتح عربوں پر مشتمل تھی اور نصف اہلِ عجم پر جن کو عرب اپنی اصطلاح میں موالی کہتے تھے۔ یہ لوگ یہاں طرح طرح کی صنعت و حرفت کے کام کرتے تھے اور اس کے علاوہ تجارتی کاروبار میں بھی زیادہ تر انہی کا دخل ہے۔ یہ لوگ جنگ میں اسیر کر کے کوفہ لائے گئے تھے اور اسلام لے آئے تھے۔ ان کے مالکوں نے انہیں آزاد کر دیا۔ اور اب یہ بحیثیت موالی کے یہاں رہنے سہنے لگے۔

کوفہ کی طرح اور شہروں کا بھی حال یہی ہوا۔ فارس، شام، مصر اور مغرب۔ ان میں سے ہر جگہ عرب غیر قوموں کے ساتھ اختلاط رکھتے تھے، یہاں تک کہ خود جزیرۃ العرب جزیرۂ عرب نہیں رہا۔ مدینہ طیبہ جو خلافتِ راشدہ کا دار الخلافت تھا، غیر قوموں کی آمد و رفت کی وجہ سے عربوں اور عجمیوں کا مرکزِ اجتماع تھا۔ حضرتِ عمر کے عہد میں یہاں مختلف ملکوں کے سفراء اور دوسرے ارباب حاجت و ضرورت آتے تھے۔ اور پھر ان کے علاوہ جو غیر مسلم جنگوں میں گرفتار ہوتے تھے اُن کی نسبت حضرتِ عمرؓ کا حکم تھا کہ مدینہ سے باہر اُن کے ساتھ کوئی معاملہ نہ کیا جائے چنانچہ تمام اموال غنیمت اور اسیرانِ جنگ مدینہ لے جائے جاتے تھے۔ اور یہاں حضرتِ عمرؓ کے حکم کے مطابق اُن کے ساتھ مختلف قسم کے معاملے کیے جاتے تھے۔ مدینہ میں عجمیوں کا کثرت سے آنا جانا، یہاں اُن کی مستقل بود و ماند، عربوں کے ساتھ اُن کا اختلاط، یہ سب وہ ابتدائی اسباب ہیں جن کو حضرتِ عمرؓ کی شہادت میں دخل ہے۔ ورنہ حضرت عمر ایسے جلیل القدر اور بارعب خلیفۂ وقت کو خود اُس کے دار الخلافت میں شہید کرنے کی جرأت ایک فارسی النسل غلام ابو لولو، کو کس طرح ہو سکتی تھی۔

الغرض یہ وہ تین اسباب ہیں جن کے باعث ابتداءِ اسلام میں مسلمان عربوں کو غیر قوموں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ ملنے جلنے اور اختلاط کرنے کا موقعہ ملا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس امتزاج سے مسلمانوں نے دوسری قوموں میں تہذیب وتمدن، معاشرت اور طریق معیشت میں کیا کیا تبدیلیاں پیدا لیں اور خود اُنہوں نے غیر قوموں کے اثرات کہاں تک قبول کیے۔ غیر قوموں سے معاشرت کے بعد اُن کے رجحانات طبع میں کتنا تغیر پیدا ہوا۔ اور یہی بحث دراصل اس مضمون کا مقصد ہے لیکن اس سے قبل ہم کو یہ معلوم کر لینا چاہیے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے مسلمانوں کو غیر قوموں کے ساتھ کس حد تک مختلط ہونا چاہیے، اور غیر قوموں کی تہذیب وتمدن سے کن کن چیزوں کو لیا جا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.com